ابنِ صفی

آذر عظمیٰ

دُنیا کیسے کیسے لوگوں سے بھری پڑی ہے؟
کچھ چاند پر ہو آئے ہیں اور کچھ ہیں کہ فٹ پاتھوں کی "زینت" بنے ہوئے ہیں۔ بلندی اور پستی کا یہ چکر، ازل سے جاری ہے اور ابد تک رہے گا... کچھ لوگ کار میں سوار ہیں تو کچھ لوگ انہی کاروں سے ٹکرا کر دم توڑ دیتے ہیں۔ اس گہما گہمی کی زندگی اور پُرہجوم شہروں میں آئے دن یہ واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی کسی گاڑی سے ٹکرا کر کچلا گیا اور کوئی ٹرین کے نیچے آکر کٹ مرا... اور شاید ہی کوئی انہیں مرنے پر یاد کرتا ہو۔ بعد کا تو ذکر ہی کیا۔

... مگر خطاطِ اعظم یوسف دہلوی کو بھلایا جا سکتا ہے؟ جنہیں ایک کار ڈرائیور نے کچل دیا تھا۔ کیا اُس نے نہیں دیکھا تھا کہ سڑک پار کرنے والا کوئی توانا اور جوان نہیں بلکہ ایک ضعیف العمر شخص ہے... شاید نہیں کہ انہیں دُنیا میں زندہ رہنے کا فن آتا تھا اور دُنیا انہیں خطاطِ اعظم کے نام سے یاد کرتی ہے۔

بیماریاں بھی ازل سے انسان کی ہمراہی ہیں۔ ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں ہیں جن میں سے ابھی چند ہی دریافت ہوئی ہیں ان میں سے بعض جان لیوا ہوتی ہیں۔ انہیں میں سے ایک بیماری بلڈ کینسر ہے۔

یہی جان لیوا بیماری، میرے محبوب مصنف، میرے رُوحانی باپ، میرے اُستاد، ایشیا کے سب سے بڑے مصنف اور اردو کے جاسوسی ادب کو برِصغیر میں رُوشناس کرانے والے قلم کار کو بھی لاحق ہوگئی تھی۔

بیماری تو صرف بہانہ تھی... ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو اس گندی دُنیا میں زیادہ عرصے تک نہیں رکھتا اور جلد ہی انہیں اپنے پاس بُلا لیتا ہے۔

مگر کیا اللہ تعالیٰ نہیں جانتا کہ جو اس کا محبوب ہے، وہ ہمارا بھی ہو سکتا ہے، جو اُسے پیارا ہے، ہمیں بھی پیارا ہو سکتا ہے اور جسے وہ چاہتا ہے، اس کے ہم بھی شیدائی اور دیوانے ہو سکتے ہیں۔ ہم بھی اس کی چاہت میں گرفتار ہو سکتے ہیں؟

جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو خود سے زیادہ عرصے تک دُور نہیں رکھ سکتا تو کیا وہ اس سے بے خبر ہے کہ اس کا محبوب کسی اور کا بھی محبوب ہے اور کوئی بھی اپنے محبوب سے بچھڑنا پسند نہیں کرتا اور وہ بھی ہمیشہ کے لیے؟

اگر اللہ کو ایک جاندار یا ایک انسان کی جان لینا ہی تھی تو میں اپنی جان حاضر کر دیتا۔ مجھے اُٹھا لیتے کہ دُنیا سے صرف ایک فرد ہی کم ہوتا... خانہ پُری میں کیا کمی آجاتی؟

مگر نہیں... میرے رُوحانی باپ (ابنِ صفی) اور حقیقی... والدِ بزرگوار نے نصیحت کی تھی کہ شکوہ نہ کرو، گنہگار کہلاؤ گے۔ مگر کیا، کیا جائے کہ ؎

"کہا بھی نہ جائے، چُپ رہا بھی نہ جائے"

جانا تو ہر شخص کو ہے، کوئی آگے، کوئی پیچھے۔ کیا انہیں اتنی جلدی ہی جانا تھا؟ شہر بھر میں سوگ منایا گیا۔ لاکھوں دِل افسُردہ ہوگئے اور لاکھوں آنکھوں میں موتی تیرنے لگے۔ پرستاروں اور مداحوں کی بھاری تعداد نوحہ کُناں ہے۔ اُن کی یاد میں موتی لُٹا رہے ہیں ؎

"کیا اشکوں کی کوئی قیمت ہے؟
جو ہم کو روتا چھوڑ گیا ہے
ہم کو روتا چھوڑ گیا ہے
سارے موتی رَوند گیا ہے"

محترم اسرار احمد صاحب نے مجھے ایک دفعہ میرے خط کے جواب میں، مجھے برخوردار کہہ کر پکارا تھا۔ وہ، میرے باپ تھے۔ آہ! میں یتیم ہوگیا ہوں۔ ایک ایسا یتیم جو اپنے کی مرتے دم بھی صُورت نہ دیکھ سکا ہو۔ کیا کوئی صُورتِ حال کا اندازہ لگا سکتا ہے؟ صرف وہی جن پر بیتی ہو ؎

جس دل نے چوٹ نہ کھائی ہو
وہ، میرا فسانہ کیا جانے

اپنے یتیم ہونے کی خبر سُن کر دِل بے قابو ہوگیا، جگر پھٹ گیا۔ ہوش و حواس معطّل ہوگئے۔ چوبیس گھنٹے بے ہوش رہا۔ آنکھیں اب تک ساون بھادوں کا منظر پیش کر رہی ہیں... کئی روز سے طبیعت مضمحل ہے۔ حالت نیم پاگل کی سی ہے۔ کتابیں سینے سے لگائے، آنسو پینے میں مصروف ہوں۔ اس وجہ سے کچھ نہ لکھ سکا۔

زندہ رہنے کا فن، ہر کسی کو نہیں آتا۔ صرف چند لوگ اس فن سے آشنا ہوتے ہیں۔ اُن میں سے ایک ابنِ صفی بھی تھے۔ دُنیا میں لوگ آتے اور جاتے رہتے ہیں... مگر کچھ اپنی زندگی اس

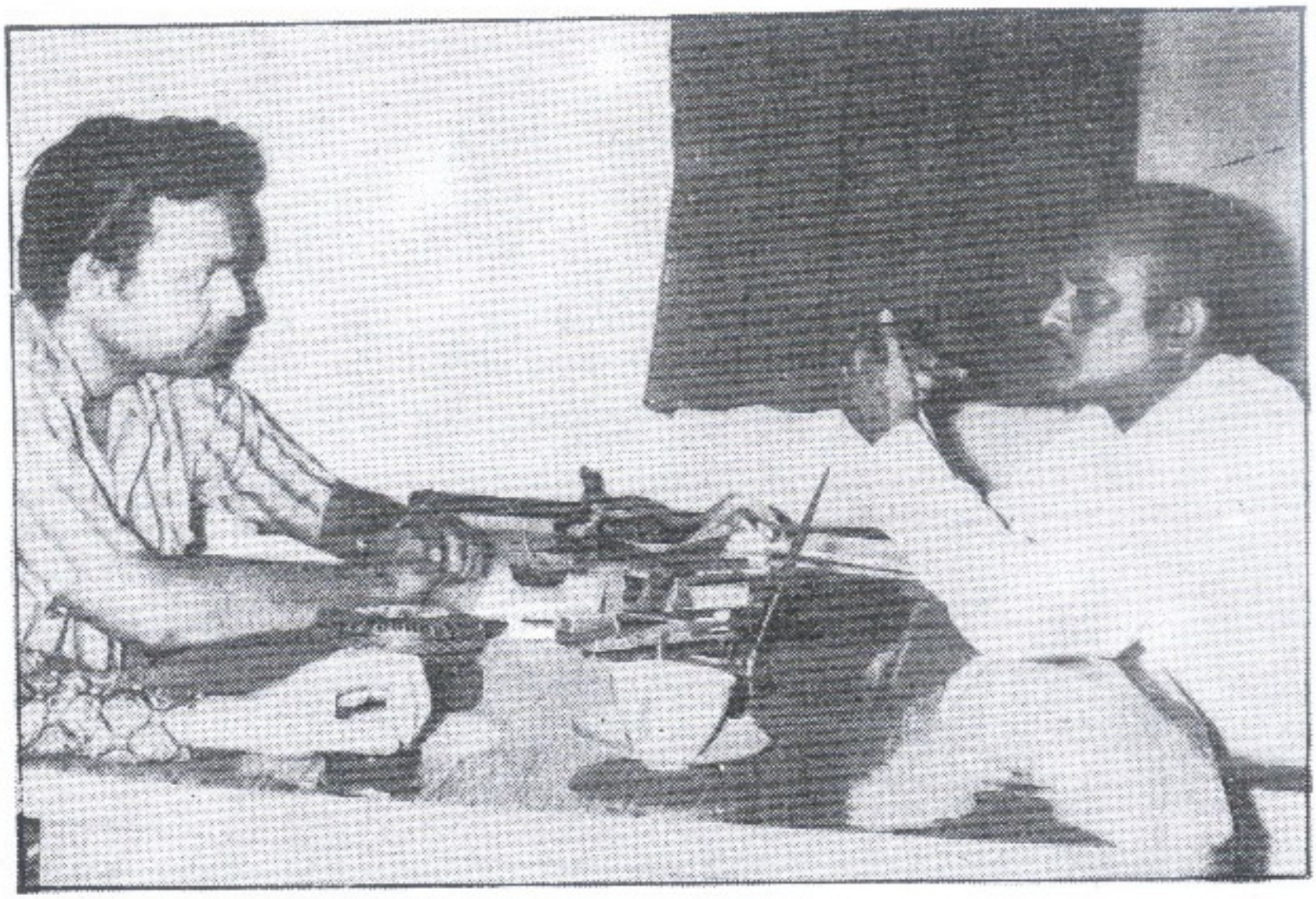

طرح بسر کر جاتے ہیں کہ اُن کی زندگی دوسروں کے لیے زخموں کا مرہم، دُکھوں کا مداوا اور غموں کی تسکین ہوتی ہے اور اُن کی موت ایک غیر متوقع حادثہ، ایک جانکاہ صدمہ ہوتی ہے اور یہی لوگ ہوتے ہیں جو امر ہو جاتے ہیں، زندۂ جاوید ہوتے ہیں۔

دُنیا میں کچھ شخصیتیں ایسی گزری ہیں جنہوں نے اَدب کی تاریخ میں اپنے لیے جگہ حاصل کی ہے اور کچھ لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے تاریخ کی بنیاد ڈالی اور تاریخ بنائی ہے۔ ابنِ صفی بھی اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُنہوں نے اُردو جاسُوسی کا اُردو ادب کی تاریخ میں آغاز کیا۔

محترم اسرار احمد وہ مظلوم ترین مصنف ہیں کہ اُن کی زندگی ہی میں اُن کے ناولوں، کرداروں اور اندازِ تحریر کی نقل کی گئی اور وہ بھی ایک بھونڈے انداز میں... مگر وہ خاموش رہے۔ اپنے ایک کردار "ڈاکٹر دُعاگو" کے متعلق قارئین کے خط وصُول کرنے پر انہوں نے لکھا:۔

"بھائی! میں نہیں جانتا کہ شلجم کو کس زبان میں گونگلو کہتے ہیں اور آپ نے الیکشن کے سلسلے میں ٹی۔ وی کے پروگرام میں جس ڈاکٹر دُعاگو کو دیکھا ہے، وہ میرا ڈاکٹر دُعاگو قطعی نہیں تھا... اور میں اُس کی تاریخِ پیدائش سے بھی واقف نہیں ہوں۔ میرا ناول ڈاکٹر دُعاگو ۱۹۶۳ء میں بالاقساط روزنامہ 'حریت' کراچی میں شائع ہُوا تھا... گونگلو کے بارے میں امجد اسلام امجد سے بتوسط لاہور ٹیلی ویژن' استفسار فرمایئے۔ کیونکہ گونگلو والا ڈاکٹر دُعاگو اُن ہی کا تھا... اور وہی اس کی تاریخِ پیدائش بھی بتا سکیں گے۔"

گویا کہ مشہور شاعر اور مصنف امجد اسلام امجد تک نے اُن کے ناول ڈاکٹر دُعاگو کی بھونڈی نقل کی تھی تو اور لوگ کیا نہ کریں گے... مگر آپ (صفی) کی زبان سے گویا حرفِ شکایت بھی نہ نکلا۔ اور مندرجہ بالا تحریر بھی فقط اس وجہ سے لکھی کہ قارئین نے اس کی وضاحت چاہی تھی۔

... اور تو اور نغمہ صفی نے بھی بھونڈی نقل اُتاری سو اُتاری مگر اپنے نام کی بجائے وہ "این صفی" لکھنے لگیں کہ شاید کوئی دھوکے سے "این صفی" کو "ابنِ صفی" سمجھ کر خرید لے مگر کوئی اتنا نادان نہیں کہ اصل اور بھونڈے چربے میں فرق محسوس نہ کر سکے۔

لاکھوں مدّاح اور پرستار اشکبار ہیں مگر ان سب سے الگ اُن کا رُوحانی بیٹا جو کہ مرتے وقت بھی باپ سے نہ مِل سکا، اس کے غم کا اندازہ شاید کوئی نہیں کر سکتا... آخر میں دُعاگو ہوں کہ... اللہ تعالیٰ، اسرار احمد کو جنّت الفردوس میں بلند مقام دے کر درجات بلند کرے۔ آمین!